104

سرچشمہ ہدایت کی قدر کرو اور فساد کی راہوں سے بچو

(فرمودہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۰ء)

حضورِ انور نے تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ اور آیت شریفہ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف ۵۷) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

انسانی اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کا اثر صرف کرنے والوں تک محدود ہوتا ہے۔ اور ایک وہ عمل ہوتے ہیں جن کا اثر ان دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ جو اس فعل میں شامل نہ ہوں۔ ان دونوں قسم کے کاموں میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ جو شخص نماز پڑھتا ہے۔ اس کی نماز کا اثر اس شخص کی ذات تک ہے۔ مگر جو زکوٰۃ دیتا ہے۔ اس زکوٰۃ دینے والے کا اثر اسی کی ذات تک محدود نہیں۔ بلکہ دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ کیونکہ جب تک لینے والا نہ ہو۔ زکوٰۃ دی ہی نہیں جا سکتی۔ پھر بدظنی کا اثر محض بدظنی کرنے والے کی ذات تک محدود ہے یا مثلاً کوئی شخص شرک کرتا ہے اگرچہ شرک بڑا گناہ ہے۔ مگر اس کا اثر دوسروں پر کچھ نہیں پڑتا۔ لیکن اگر کوئی چوری کرے۔ تو چوری کا فعل چور کی ذات تک ہی نہیں۔ بلکہ جن کے ہاں چوری ہوتی ہے۔ ان پر بھی اثر ڈالتا ہے یا قتل ہے۔ اس کا اثر بھی دوسرے پر پڑتا ہے۔

بدظنی بھی بُری ہے اور قتل یا چوری بھی بُری ہے، لیکن فرق ان میں یہ ہے کہ ایک فعل کا اثر صرف کرنے والے کی ذات تک محدود ہے اور دوسرے کا اثر دوسرے پر بھی پڑتا ہے۔ اس لیے ایسے اعمال جن کا دوسروں کی ذات پر بھی اثر پڑے۔ ادنیٰ ہو کر خطرناک ہوتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنا ایک لاکھ روپیہ ضائع کر دے اور ایک دوسرا شخص پچاس شخصوں کا ایک ایک روپیہ کھووے

تو اگرچہ نقصان تو ایک لاکھ کا بڑا ہے۔ مگر ان پچاس روپیہ سے جو پچاس شخصوں کے تھے۔ بلحاظ اثر کے تھوڑا ہے۔ کیونکہ لاکھ کا اثر ایک ہی شخص کی ذات پر ہے۔ اور پچاس روپیہ کے نقصان کا اثر پچاس اشخاص کی ذات پر پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص اپنے لاکھ روپیہ کے کپڑے کی دکان جلادے تو اگرچہ لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ مگر زیادہ اثر مالک پر ہی ہوگا۔ لیکن اگر کوئی پچاس آدمیوں کا ایک ایک روپیہ کا کپڑا جلا دے یا پھاڑ دے۔ تو اس کا اثر زیادہ وسیع ہوگا۔

پس ایسے اعمال جو اپنے اثرات کے لحاظ سے لوگوں کے لیے مضر اور خطرناک ہوں۔ ان میں انسان کو شامل ہونے سے بچنا چاہیئے۔ اسی قسم کے اعمال میں سے جو دُنیا کے لیے خطرناک ہوتے ہیں۔ ایک فساد بھی ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا۔ جب اصلاح ہو چکی ہو یا ہو رہی ہو۔ تو اس میں دخل دینا اور رکاوٹ ڈالنا بہت نقصان رساں ہوتا ہے۔ ہر ایک فعل کا اثر ہوتا ہے۔ اگر بُرا فعل ہے۔ تو بُرا اثر ہوگا۔ اور اگر نیک ہے تو نیک۔ پھر اگر صرف اس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے تو اسی پر۔ اور اگر دوسروں سے تعلق رکھتا ہے۔ تو ان پر بھی ہوگا۔ اس قسم کے کسی فعل کے کرنے سے کسی کو ہدایت کرنا یا سمجھانا کہ وہ اس سے باز آئے۔ اسی حد تک جائز ہے جس سے فساد نہ ہو۔ اگر عملی طور پر سمجھانے اور روکنے کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے یعنی ہم تو اپنے خیال میں اصلاح کرتے ہیں۔ مگر اس سے دوسروں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ تو یہ فساد ہے دیکھو منافق اپنے فساد پھیلانے کی کوششوں کا نام اصلاح رکھتے تھے۔ لیکن اصل میں اس اصلاح کا نتیجہ مسلمانوں کے لیے نقصان رساں تھا۔ کیونکہ اس سے کلمۂ اسلام متفرق ہوتا تھا اور منافق اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ کفار نے اسلام کے مٹانے کے لیے شمشیر اُٹھائی تھی۔ اس وقت ان کے دفع شر کے لیے ضرورت تھی کہ شمشیر اُٹھائی جائے۔ وہ لوگ اس کو روکتے تھے اور اس کا نام اصلاح رکھتے تھے۔ حالانکہ اس طرح وہ فتنہ کو اور بڑھاتے تھے۔ کیونکہ جب وہ مسلمانوں کے خلاف کفار کی تکلیفوں اور شرارتوں کو دیکھتے اور مسلمانوں کو روکتے تھے کہ ان کا جواب نہ دو تو گویا وہ اس طرح ظالم کی مدد کرتے تھے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فساد قرار دیا۔ اگرچہ منافق اپنے فعل کو اصلاح ہی کے نام سے نامزد کرتے تھے مگر درحقیقت یہ فساد تھا۔

پھر ان فتنوں کے کاموں میں مَیں دیکھتا ہوں کہ سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ اصلاح کے سرچشمہ پر حملہ کیا جائے۔ مثلاً ایک شخص مریض کو دُکھ دیتا ہے۔ دوائی نہیں پہنچاتا۔ یہ بُرا کام کرتا ہے مگر جو ہسپتال میں جاتا۔ اور تمام دواؤں میں زہر ملا دیتا ہے۔ وہ بہت بڑا مجرم ہے۔ پہلے کے فعل سے ایک

شخص کی جان خطرے میں تھی۔ مگر دوسرے کے فعل سے بے شمار جانیں ہلاک ہونگی۔ کیونکہ پہلے نے ایک مریض تک دوا نہ پہنچنے دی۔ مگر دوسرے نے بہت سوں کی ہلاکت کا سامان کر دیا۔

اس زمانہ میں جو فتنہ ہے لوگ اس سے ناواقف نہیں۔ ہر جگہ سے آواز اُٹھ رہی ہے کہ ہم فتنہ میں ہیں۔ ہم آفت میں ہیں۔ کوئی جماعت اس وقت خوش نظر نہیں آتی۔ بادشاہ ناخوش ہیں کہ رعایا ہم سے اچھا سلوک نہیں کرتی۔ اور رعایا ناخوش ہے کہ بادشاہ ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ میاں بیوی سے خوش نہیں بیوی میاں سے ناراض ہے۔ بیٹے والدین سے خوش نہیں۔ والدین اولاد سے ناخوش ہیں۔ اس وقت ایسی فتنہ کی رو چلی ہے کہ حقیقی امن کہیں نظر نہیں آتا۔ ایسی حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل، رحم اور احسان سے یہ سلسلہ تجویز کیا اور اس کے ذریعہ امن قائم کیا۔ اور امن کے قیام کے لیے ایک رستہ بنا دیا۔ اور اس کے لیے اپنا شہزادہ صلح بھیج دیا۔ امن صلح سے پیدا ہوتا ہے۔ فساد کیا چیز ہے۔ دو شخص آپس میں لڑتے ہیں دو شخص لڑیں یا دو محلے یا دو شہر یا دو ملک یا دو قومیں لڑیں۔ تو اس لڑائی کا نتیجہ فساد اور بے امنی ہو گی۔ اور اگر قومیں یا ملک یا شہر یا محلہ یا افراد لڑائی چھوڑ دینگے تو امن ہو جائیگا۔ پس لڑائی چھوڑ دینے کا ہی نام امن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحب کا نام صلح کا شہزادہ رکھ کے بتایا کہ اس کے ذریعہ امن قائم ہوگا اور لوگ مسیح موعودؑ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں گے۔ اس وقت یہ بات ہنسی سمجھی جاتی ہے اور اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ دو فوجوں کے درمیان ایک لڑکا جا کر کہدے کہ میرا کہنا مان لو میں صلح کرا دوں گا۔ جیسا اس بچے پر دونوں فوجیں ہنسیں گی۔ ویسے ہی ہم پر لوگ ہنستے اور ہمیں پاگل بتاتے ہیں۔ مگر آج تک خدا کی طرف سے کونسی امن کی صورت آئی ہے کہ اس کو لوگوں نے ہنسی میں نہیں اُڑایا۔ لیکن جو لوگ مسیح موعود پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ پر ایمان اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک تو یہ بات یقینی ہے کہ امن اگر قائم ہوگا۔ تو اسی ذریعہ سے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا کی تدبیر ناکام رہے۔ اگر ایک دفعہ بھی ایسا ہو کہ بندوں کی تدبیر کے مقابلہ میں خدا کی تدبیر ناکام رہے۔ تو پھر خدا کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ اس خدا کی کیا ضرورت ہے۔ جس کا بتایا ہوا علاج بندوں کے تجویز کردہ علاج سے ناقص ہو۔

پس اگر مسیح موعود خدا کی طرف سے ہیں تو دُنیا کا امن اور امان آپ ہی کے ماننے میں ہے۔ اور اب دُنیا میں امن آپ کے ماننے والوں ہی کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے۔ امن کا سرچشمہ احمدیت ہے یہ ہسپتال ہے اور دنیا کا علاج اسی سے ہوگا۔

تکلیف اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک اصل علاج مہیا اور دریافت نہ ہو۔ لیکن جب علاج دریافت ہو جاتے۔ تو خواہ کوئی کتنا ہی سرگردان پھرے۔ آخر علاج کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ آج یہ حالت ہے کہ جب کوئی بیمار ہو۔ تو معمولی آدمی بھی کہتے ہیں کہ یونانی طبیبوں سے کیا علاج کراتے ہو۔ شفاخانہ میں جاؤ۔ حالانکہ شفاخانوں کی قدر و قیمت ایک دن میں معلوم نہیں ہو گئی تھی۔ بلکہ جب شفاخانے نکلے ہیں۔ اس وقت عام خیال یہی تھا کہ انگریزی دوا گرم خشک ہوتی ہے۔ استعمال نہ کی جائے۔

حضرت خلیفۃ اول فرماتے تھے کہ ایک مریض کو دیکھنے آپ گئے۔ وہاں ایک اور طبیب بھی بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تھرمامیٹر بھی لگایا ہے۔ طبیب نے کہا کہ اگر تھرمامیٹر لگانا ہے تو مَیں جاتا ہوں انگریزوں کی دوا گرم خشک ہوتی ہے اور مریض کو پہلے ہی خشکی ہے۔ حضرت خلیفۃ اول نے فرمایا کہ تھرمامیٹر کوئی دوا نہیں۔ یہ تو ایک آلہ ہے۔ جس کو مریض کے منہ میں یا بغل میں رکھ کر بخار کی کمی بیشی معلوم کرتے ہیں اس پر طبیب نے بے اختیار کہا کہ نہیں جی ان کی ہر ایک چیز گرم خشک ہوتی ہے، لیکن اب یہ کیفیت نہیں رہی۔ لوگ اس قدر بدظن نہیں۔ بلکہ یونانی طب پر ڈاکٹری علاج کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ حالانکہ یونانی طب بھی اپنے اندر فوائد رکھتی ہے۔ اس کے علاج میں زیادہ ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سامان نہیں اور اس کے کرنے والے خود پورے واقف نہیں ہوتے۔ اپنے وقت میں یہ طب بڑی مفید چیز تھی، لیکن جس وقت یہ طب نکلی ہوگی۔ اس کو بھی لوگوں نے نہیں مانا ہوگا۔ آج کل بھی عام طور پر عورتیں نہ یونانی طب کی قائل ہیں نہ ڈاکٹری کی۔ وہ کہا کرتی ہیں۔ علاج وہ ہیں جو مائیں جانتی ہیں۔ پس جو بھی علم ہو۔ وہ ایک دن میں نہیں مان لیا تھا۔ بلکہ آہستہ آہستہ اس کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خدا نے جو امن کا ذریعہ احمدیت تجویز فرمایا ہے۔ لوگ اس کو بھی مانیں گے مگر آہستہ آہستہ۔ اور اس کو اس وقت مانا جائیگا جس وقت انسانی تجویز کردہ سب دروازے بند نظر آئیں گے۔

پس احمدیت امن کا واحد ذریعہ اور سرچشمہ ہے اور یہی وہ دواخانہ ہے جس سے لوگ شفا پائیں گے پھر اس سے زیادہ مجرم کون ہوسکتا ہے اور اس سے زیادہ دشمن کون ہے جو سرچشمہ کو گدلا کرنا چاہتا ہے وہ لوگ جو انگلستان۔ ہندوستان۔ امریکہ یا دیگر ممالک کی حکومتوں کے خلاف ہیں۔ اور ان کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی کی انگلیاں کاٹے۔ مگر جو شخص احمدیت کا دشمن ہے۔ اور اس سرچشمہ کے بند کرنے کے درپے ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ کوئی کسی کا سر جدا کرلے یا دل نکال لے۔ خدا نے سینکڑوں سال کے بعد یہ آفتاب چڑھایا ہے۔ جو اس کو اپنے حسد سے چھپاتا ہے۔ وہ بڑا خطرناک جرم کرتا ہے اور بڑی سزا کا مستحق ہے، لیکن جو شخص اس کو مانتا اور اس علاج کی صحت کا

قائل اور حضرت صاحب پر ایمان لانے کا مدعی ہو کر ایسا کرے۔ وہ بہت ہی بڑا خطرناک قدم اُٹھاتا ہے۔

مَیں نے بتایا ہے کہ بعض کام جو لوگ کرتے ہیں اور ان کا اثر اپنے نتائج بد کے لحاظ سے بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ بہت بُرا کام کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اس فعل کا اثر یہ ہے کہ اس سے تمام نیکی مٹ جاتی ہے۔ حضرت عثمان کے وقت میں جو فتنہ ہوا۔ وہ ایک ملکی جھگڑا تھا۔ مگر اس کا اثر اتنا پھیلا کہ حضرت عثمان شہید ہوئے اور مسلمانوں میں تلوار چل گئی۔ پھر اس کا کتنا خطرناک نتیجہ نکلا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا وہ شخص بھی قابل سزا ہے جو اصلاح ہونے نہیں دیتا۔ اور اصلاح ہونے میں روک ڈالتا ہے۔ لیکن وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے جو اصلاح ہونے کے بعد فساد کرتا یا اصلاح کے سامان کو خراب کرتا ہے۔ دیکھو اگر طبیب کے ہاتھ سے دوا گرا دی جاتی ہے۔ تو خطرہ نہیں۔ کیونکہ اور دوائی اور طبیب موجود ہے۔ لیکن اگر دوا کے ذخیرہ کو خراب کر دیا جائے۔ تو گویا اُمید کو ہی مٹا دیا گیا۔

پس احمدیت سر چشمہ امن و صلح ہے اور وہ شخص سب سے بڑا مجرم ہے۔ جو احمدیت کا دم بھرتا اور اخلاص کا دعویٰ کرتا ہوا اپنے فعل سے اس سر چشمہ کو خراب کرنا چاہتا ہے۔ منافق کہتے تھے کہ ہم اصلاح کرتے ہیں۔ کیا وہ اصلاح کا نام لے کر فساد کرنے سے مجرم نہ تھے۔ خدا تو ان کو مجرم ہی قرار دیتا ہے اور شریر قرار دیکر کہتا ہے کہ وہ سزا سے نہیں بچ سکتے۔

نیت نیک اگر ہو۔ تو عمل خراب نہیں ہوتا اگر کوئی کہے کہ میری نیت نیک تھی تو اس کا فعل بھی نیک ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص نماز چھوڑ کر گلیوں میں پھرنا شروع کر دے اور کہے کہ میری نیت یہ ہے کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤں اور نماز کی طرف لاؤں۔ تو یہ فعل اس کا مستحسن نہیں کہلائیگا۔ اور اس وقت تک وہ مومن نہیں ہوگا۔ جب تک خود وہ نماز نہیں پڑھتا۔ اسی طرح اگر کوئی ایسی بات یا فعل کرتا ہے جس کا نتیجہ فساد ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نیت اصلاح کی تھی۔ تو یہ نیک نیتی نہیں۔ کیونکہ اصلاح کا نتیجہ امن ہونا چاہیئے تھا نہ کہ فساد۔ انسان خود پہلے اپنے نفس سے اصلاح شروع کرے۔ تب دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ اور وہی کام مفید ہو سکتا ہے۔ جس کا دین پر اثر نہ پڑے۔ اگر کوئی شخص ایک جان کے بچانے کے لیے لاکھوں روپیہ بھی خرچ کر دے۔ تو اس کا یہ فعل اچھا ہوگا۔ لیکن اگر کسی کے خوش کرنے کے لیے ایک نماز بھی چھوڑے۔ تو گنہگار ہوگا۔ مثلاً اگر سو ہندو کہیں کہ ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ تم ظہر کی نماز نہ پڑھو۔ تو ان کے کہنے پر نماز نہ پڑھنا گناہ ہوگا۔ ایک جان کے لیے لاکھوں روپیہ قربان کرنا جائز ہے۔ مگر ہزار جانوں کو جہنم سے بچانے کے لیے ایک نماز چھوڑنا گناہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص

اس لیے فساد کے افعال کرتا ہے کہ مصلح بن جائے۔ تو وہ اچھا نہیں کرتا۔ کانٹے بو کر کسی شخص کو اُمید نہ رکھنا چاہیئے کہ وہ گیہوں کاٹے گا۔ حنظل لگا کر انگور کی توقع رکھنا جہالت ہے۔ پس فساد کے ذریعہ اصلاح کا خیال خام ہے۔ کیونکہ فساد سے فساد ہی پیدا ہو گا۔

پس مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کے آدمی اپنے ہر ایک کام میں یہ سوچا کریں کہ ان کے قول یا فعل کا اثر ان پر ان کے عزیزوں پر ان کے دین پر کیا پڑے گا۔ وہ لوگ جو اپنے افعال و اقوال میں احتیاط سے کام نہیں لیتے اور کسی نہج سے فساد کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی سزا کے مستحق ہیں۔ یہ غلط اصل ہے کہ دوسروں کو ایماندار بنانے کیلئے اپنے ایمان کو ضائع کر دیا جائے۔ سب سے پہلا حق اصلاح کے لیے اپنے نفس کا ہے۔ دیکھو ہم ہمیشہ اس امر کی تردید کیا کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلا۔ اور ہم سب یقین رکھتے ہیں کہ اسلام علاج ہے تمام خرابیوں کا۔ اس اصل کا پابند کہ اصلاح کے لیے فساد کرنا چاہیئے، کہے گا کہ اسلام کو ضرور تلوار کے زور سے پھیلانا چاہیئے۔ مگر خدا تعالیٰ اس عمدہ علاج کو بھی زبردستی نہیں پھیلانا چاہتا کیونکہ وہ اصلاح اصلاح ہی نہیں جو فتنہ کی محتاج ہے اور وہ راستی بے حقیقت ہے جو جھوٹ کے سہارے پر قائم ہوتی ہے اگر کوئی شخص نیکی قائم کرنے کیلئے تلوار چلاتا ہے۔ تو وہ بُرا کام کرتا ہے۔ کیونکہ خدا نے مذہب کے لیے بھی جائز نہیں رکھا کہ زور سے پھیلایا جاتے۔ پس جب خدا بھی اپنے مذہب کو جبر سے پھیلانا جائز نہیں رکھتا۔ تو پھر تم اپنے کسی خیال کو جس کے متعلق تمہیں یقین نہیں۔ وہ ضرور ہی درست ہے۔ کیوں زبردستی فساد انگیز طریق سے منوانا چاہتے ہو۔

اگر اصلاح مدنظر ہے تو ان جائز طریقوں سے کرو جو کسی اصلاح کے لیے مقرر ہیں۔ اگر کوئی شخص صحیح ذرائع سے اصلاح کرنے میں بھی ناکام رہے تو سمجھے کہ یہ اس کا خیال صحیح نہ تھا۔ ورنہ اگر اس کا اصلاح کا خیال درست ہوتا۔ تو اس کے قبول کرنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ قلوب کو تیار کر دیتا۔ جو لوگ اپنے خیالات کو پھیلانے کے لیے غلط طریقوں سے کام لیتے ہیں اور لوگ ان کے خیالات سے متفق نہیں ہوتے۔ ان کو فساد کا موجب نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کے خیالات درست نہیں۔ یا وہ ذرائع ٹھیک نہیں۔ جو انہوں نے استعمال کئے۔

دیکھو اسلام نے اپنے خیالات تو الگ رہے۔ اپنے حقوق کے متعلق بھی کس قدر ضبط کی تعلیم دی ہے رسول کریمؐ سے پوچھا گیا کہ اگر ایسے حاکم ہوں۔ جو اپنے حقوق تو لیں اور ہمارے نہ دیں۔ تو ہم کیا کریں۔ آپنے فرمایا کہ ان کے حقوق دو۔ اور اپنے حقوق خدا پر چھوڑ دو وہ خود لیگا وہ ایسے لوگوں کو تباہ کر دیگا۔ جو اپنے حقوق لیتے اور دوسروں کے غضب کرتے اور اصلاح کی طرف نہیں آتے۔

پس ہمیشہ اپنے معاملات پر غور کرو کہ آیا وہ غلط تو نہیں یا ان کے ذرائع تو غلط نہیں۔ اگر کوئی خیال اپنی ذات میں موجب فساد ہے۔ تو اس کو چھوڑ دو۔ اور اگر خیال صحیح ہے مگر ذرائع ٹھیک نہیں تو انکو درست کرو۔ اگر کسی کا قصور ہے تو اس کو بتاؤ۔ یہ نہیں کہ قصور زید کا ہو۔ اور بکر کو جس کا کوئی تعلق نہیں بتایا جاتے۔ اگر کسی محکمہ میں ہو اور اس میں تمہارے نزدیک کوئی خرابی ہے۔ تو جائز ذریعہ سے اس کو دُور کرنے کی کوشش کرو۔ اور ان لوگوں کو توجہ دلاؤ۔ جو اس کو دُور کر سکتے ہیں۔ اگر وہ توجہ کریں تو فبہا۔ ورنہ اگر تم کو اس صیغہ کے حکام بالا سے کہنے کا اختیار ہے۔ تو تحریراً کہو اور اگر کہنے کا حق نہیں۔ تو خاموش رہو۔ اور اس معاملہ کو خدا پر چھوڑ دو۔ اگر وہ لوگ غلطی کی دانستہ اصلاح نہیں کرتے۔ تو خدا ان کو خود درست کر دیگا۔ مگر تم اپنے افعال سے فساد کا باعث نہ ہو۔ کیونکہ جب ایسی حالت ہو کہ تمہاری کوئی نہ سُنے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اس وقت اللہ کے حضور گر پڑو۔ اور خوف اور طمع سے اس سے دُعا کرو۔ اگر تم محسن ہو تو تمہارا کام اور خیال ضائع نہ ہوگا کیونکہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اللہ کی رحمت محسنوں کے قریب تر ہے۔

پس قانون کی پوری پابندی کرو۔ اور امن کے ساتھ اصلاح کرو۔ اگر تمہیں حق ہے۔ پھر تم کامیاب ہو جاؤ گے ورنہ جو شخص اس سلسلہ کو اپنے کسی رویہ سے فتنہ میں ڈالنا چاہے گا۔ وہ کامیاب نہ ہوگا۔ تم جب اصلاح کرنا چاہو۔ تو پہلے نفس کی اصلاح کرو بعد میں دوسروں کی اصلاح کی طرف توجہ کرو۔

اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ اپنے ذمہ کے کاموں کو سمجھو اور ان کی اہمیت کو معلوم کرو۔ سب سے بڑا کام اتفاق ہے۔ اس کو نہ توڑو اور اصلاح محبت سے کرو۔ کیونکہ حقیقی اصلاح محبت سے ہی ہوتی ہے۔ اگر ہم میں فتنہ ہو تو پھر دُنیا کی اصلاح کی اُمید نہیں۔

(دوسرے خطبہ کیلئے جب کھڑے ہوتے تو فرمایا) معلوم ہوتا ہے کہ لوگ جمعہ کیلئے کچھ دیر سے آتے ہیں آج جب میں آیا تو چند آدمی تھے حالانکہ میرے خیال میں آج مجھکو دیر ہوگئی تھی۔ دو تین جمعوں سے میں ایسا ہی دیکھتا ہوں۔ حالانکہ جمعہ ظہر کے وقت ہو چکنا چاہیئے۔ پہلی اذان اس لیے ہوتی ہے کہ لوگ جمع ہو جائیں پھر اس دن خطبہ بھی ہونا ہوتا ہے۔ اس میں بھی کچھ دیر لگتی ہے۔ آیندہ ½ ۱۲ بجے دوستوں کو یہاں پہنچ جانا چاہیئے۔ اور اس میں احتیاط لازم ہے۔"

(الفضل ۱۶ ر دسمبر ۱۹۲۰ء)